Fikr-o-Nasar (Islamabad) vol. 2:1 (1964)
© rasailojaraid.com

اخبار

جون ۱۹۶۴ء

اس ماہ مسلم اور غیر مسلم ممالک کے ممتاز دینی رہنما اور علماء ایک علمی مذاکرہ میں بون میں جمع ہوئے اس اجتماع کی میزبانی وفاقی جمہوریہ جرمنی کا شعبۂ اطلاعات کر رہا تھا۔ مسلم نمائندگان میں الجزائر کے مذہبی امور کے وزیر، تیونس کے مفتی اعظم، جامعہ ازہر کے صدر کلیہ شرعیہ اور ایک اور مصری نمائندے عراق سے معہد دراسات اسلامیہ کے شیخ، ملائیشیا سے تعلیمات دینی کے عمید اور پاکستان سے ڈاکٹر فضل الرحمن، عمید مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی شرکت کر رہے تھے۔

اس اجتماع کا ایک خوش آئند پہلو یہ تھا کہ اتنے مختلف ممالک سے اسلامی فکر و نظر کے عمائدین ایک جگہ جمع تھے۔ اور وہ بھی مغربی جرمنی کی سرزمین میں۔ مسلم نمائندگان کے بارے میں ایک قابل ذکر بات اور ہے کہ ثقافتی لحاظ سے اس قدر مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہوئے بھی وہ ایمان اور عربی زبان (جو سب بلا تکلف بول اور سمجھ رہے تھے) کے گہرے رشتوں میں وابستہ تھے۔

اس اجتماع میں جو جرمن عمائدین شرکت کر رہے تھے، عربی نہیں بول سکتے تھے لیکن اس مقصد کے لئے شام سے ایک عربی۔ جرمن ترجمان کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ان عمائدین میں جرمنی کے امور خارجہ کے ایک عہدیدار بھی شامل تھے، جو اپنی انکساری اور تواضع کے باوصف اسلامی علوم کے ایک بہت بڑے عالم اور مغربی زبانوں کے علاوہ عربی، فارسی اور ترکی پر بھی عبور رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

جرمن عمائدین مذہبی، اقتصادی اور سیاسی، مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھتے تھے۔ نمائندگان کے سامنے انہوں نے ان تمام شعبہ ہائے حیات میں جرمن عوام کے حالات پر عالمگیر انسانی نقطۂ نظر اور رواداری کے جذبات کے ساتھ روشنی ڈالی جو ثقافتوں کے مطالعہ اور دینی اور سیاسی نظامات کی باہمی افہام و تفہیم کا واحد کارگر ذریعہ ہے۔

جرمن عمائدین نے اپنے ملک کی صورتِ حالات اور نقطۂ نظر کی بخوبی وضاحت کی۔ اس وسیع القلبی کے ساتھ وہ دوسروں کے نقطہ ہائے نظر سمجھنے کے لئے آمادہ تھے۔ معلوم یہ ہوا کہ ان کے مسائل بالکل ہی مختلف حالات کی پیداوار ہوتے ہوئے بھی تعجب انگیز حد تک ایک دوسرے سے متشابہ تھے چنانچہ ضرورت تھی کہ ان مسائل کے حل بھی اسی طرح ہر پہلو سے جامع اور مانع ہوں۔ مثال کے طور پر تقسیم جرمنی کا مسئلہ بنیادی طور پر ایک سیاسی نوعیت کا مسئلہ ہے لیکن اس کا یہ پہلو انتہائی دلچسپ ہے کہ اس کی وجہ سے کئی شدید مذہبی مسائل پیدا ہو گئے اور اسی سیاسی اور مذہبی پیچیدگی کی بنا پر ان زعمائے جرمنی کو اپنے سے بھی خطاب کرنا پڑا۔ جرمنی کی مشرقی اور مغربی تقسیم سے ہر شخص واقف ہے اور دلی طور پر ہر جرمن باشندے کی یہ خواہش ہے کہ جرمنی ایک بار پھر متحد ہو جائے۔ اس مسئلہ کو پوری طرح ذہن نشین کرانے کے لئے نمائندگان کو برلن کو منقسم کرنے والی دیوار بھی دکھلائی گئی جس سے کئی الم انگیز پہلو سامنے آئے مسلم نمائندگان نے اس المیہ پر گہری ہمدردی اور جذبۂ اخوت کا اظہار کرتے ہوئے فلسطین اور کشمیر میں اسی قسم کی دیواروں کو یاد کیا۔

الجزائر کے وزیر مذہبی امور جناب المدنی نے جو مسلم نمائندگان کی طرف سے ترجمانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، فلسطین اور کشمیر کا ذکر اگرچہ نام لے کر نہیں کیا۔ البتہ اس موقع پر اپنی تقریر میں انہوں نے "عالم اسلام میں مصنوعی دیواروں" کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا۔ بعد میں متعدد موقعوں پر غیر رسمی طور پر انہوں نے بڑی شدومد سے اس بات کو دہرایا کہ فلسطین اور کشمیر صرف مسلم ہی نہیں، بلکہ "اسلامی" مسائل ہیں۔

جرمنی کی سیاسی صورتِ حال کے نتیجے میں کئی خصوصی نوعیت کے مذہبی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ان میں سے "ریاست اور مذہب کے باہمی ربط کا مسئلہ" خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس مسئلہ کا یہ پہلو سبق خیز ہے کہ مغرب کے اپنے لادینی نظریے کے عین برعکس، جرمنی میں ریاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مذہب کے مابین زیادہ سے زیادہ گہرے تعلق کی حمایت کا رجحان نہایت واضح اور بہت شدید ہے۔

اجتماع سے پہلے نمائندگان نے برلن میں پروٹسٹنٹ بشپ دیبا لیوس سے ملاقات کی مشرقی جرمنی کی حکومت نے ان کا داخلہ اپنے ہاں ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض بنیادی مفہومات مثلاً "امن"، "فرد کی تعریف" کے بارے میں اشتراکی حکومت کو ان کے تصورات سے اتفاق نہیں تھا۔ بہرکیف ریاست، دینی تصورات سے اس طرح الگ تھلگ نہیں رہ سکتی جس طرح لادینی ریاست کے حامی سوچتے آئے ہیں۔

جب نمائندگان نے ہر جبیسٹنمیر، بون کی وفاقی پارلیمنٹ کے صدر، سے ملاقات کی تو یہ مسئلہ ایک مرتبہ پھر موضوع بحث بنا۔ آپ الٰہیات کے سنجیدہ عالم ہیں۔ ہر جبیسٹنمیر نے کہا کہ مغربی معاشرے میں مذہب سے بے رغبتی عام ہے اور لوگ گرجاؤں میں نسبتاً بہت کم جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مسلم ممالک میں مسجدوں کی حاضری کے بارے میں ان کا تجربہ قطعی مختلف رہا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے کہا کہ "اسلام ابتدا ہی سے ایسا مذہب رہا ہے جو انسان کی صرف انفرادی زندگی ہی نہیں بلکہ اس کے سیاسی اور سماجی سطح پر اجتماعی وجود کی ہدایت کا بھی قائل رہا ہے۔ چنانچہ اسلام کے ہاں، معاشرے کو لادینیت کی طرف لے جانے والے عوامل کا انسداد عیسائیت سے کہیں زیادہ ہے۔"

"داس اسٹ واز ——— (یہ سچ ہے)۔ فاضل الٰہیات صدر وفاقی پارلیمنٹ نے کہا

پاکستان کے نمائندے نے مزید کہا "تاہم معاشرت کے صنعت کی طرف روز افزوں رجحان سے لادینی کی جو راہیں کھلتی جا رہی ہیں، ان سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

سب نے اتفاق کیا کہ بہر حال یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے حل کی ذمہ داری ان تمام لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو دین کے پیش کردہ ماورائے مادہ اصول و اقدار کے قائل ہیں۔ جہاں مغربی جرمنی میں لادینی کے خلاف ردعمل کی موجودگی سے بہت خوش تھے۔ صدر بنڈستاگ نے پاکستان کے اسلامی ریاست کی حیثیت سے تجربہ میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا اور کہا "اس ضمن میں پاکستان کے ہر قدم کو ہم انتہائی انہماک سے دیکھیں گے، کیونکہ واقعتہً اس کی ہر جنبش بے حد اہم ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرے پر مذہب کے عملی اثرات کہاں تک ہیں؟ اور اس رفتار کے لئے کونسے اصول اور کیا عملی مؤثر ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے؟ ان سوالات کے بارے میں افہام وتفہیم کے لئے شرکائے اجلاس کے پاس متعدد تجربات موجود تھے۔ اس بارے میں نہایت ہی عالمانہ اور نتیجہ خیز بحث وتمحیص میونخ سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر، ٹوسنگ جھیل کے کنارے "قصر ٹوسنگ" میں ہوئی۔

یہ قصر ایک پروٹسٹنٹ اکادمی کے پاس ہے جس کی کوششوں سے جرمن معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر بیش قیمت کام ہو رہا ہے۔ یہ مجلس ہر سال باقاعدہ مذاکرات کا اہتمام کرتی ہے (ایک سال میں تقریباً ساٹھ) اور ایک سالنامچہ شائع کرتی ہے۔

ان مذاکرات میں وہ برسر اقتدار سیاست والوں، پارلیمنٹ میں حزب مخالف کے اراکین، اور ملک کے دوسرے سیاسی دانشوروں کو دعوت دیتی ہے اور اس طرح ان کو ملکی مسائل پر بے تکلفی سے دوستانہ فضا میں بحث کا موقع فراہم کرتی ہے۔ موضوعات میں "منصوبہ بندی" کی طرح کے مسائل بھی شامل ہیں۔ اراکین نے اعتراف کیا کہ وہ "مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی" سے بھی کافی استفادہ کر رہے ہیں، خصوصاً ادارہ کے رسائل سے وہ بے حد متاثر تھے۔

مہمان "کرپ انڈسٹریز" ایسن اور بریمین کی حکومت میں بھی گئے۔ مسلم نمائندگان نے ہمبرگ، گوٹنگن، برلن اور بون یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم کے ماہرین اور مستشرقین سے بھی ملاقات کی۔ پروفیسر اینے میری شمل سے تجدید ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ پاکستان سے خصوصی محبت رکھتی ہیں۔

اس اجتماع میں شرکت کرنے والے مسلم مہمانوں کے لئے یہ بہت ہی غنیمت موقع تھا کہ انہیں اپنے ملکوں کے مسائل کے بارے میں باہمی گفت وشنید کا موقع ملا جس سے کئی اہم انکشافات ہوئے مثلاً یہ کہ تیونس کے مشہور اور قدیم مدرسہ جامعہ زیتونہ کے نصاب میں قدیم مفکرین کے ساتھ علامہ محمد اقبال کے دینی تصورات کا مطالعہ بھی شامل نصاب ہے۔ اسلامی دنیا کے دوسرے دینی مدارس میں بھی اقبال کا مطالعہ عام ہے۔ کیا یہ ہماری بدقسمتی نہیں کہ پاکستان کے دینی مدارس میں جو نصاب رائج ہیں ان میں علامہ اقبال کا ذکر بھی نہیں آنے پاتا۔ یہ بجائے خود اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علمائے پاکستان کا نقطۂ نظر مشرق وسطیٰ کے علما سے کس قدر مختلف ہے۔ خدا کرے یہ دوئی ختم ہو جائے اور جس قدر جلد ختم ہو اسی قدر بہتر ہے۔

© rasailojaraid.com